تمثیلات نبوی ﷺ

نصر اللہ خاں عزیزؒ ٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ یعنی مقاصد بعثت میں سے یہ مقصد اہم ترین مقصد ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پورے دین حق کی غرض و غایت اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ نوع انسانی کے اخلاق پاکیزہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ پاکیزہ اخلاق ہی پاکیزہ اور خوش گوار اور کامران زندگی کی بنیاد ہیں۔ اگر کسی معاشرے کے اخلاق پاکیزہ ہیں' اور پاکیزگی کا معیار وہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے قائم فرما دیا ہے تو اس کے جنتی ہونے' اس کے کامیاب و کامران ہونے اور دنیا و آخرت میں فلاح یافتہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پورے دین حق اور نظام اسلامی کی غرض و غایت ہی "مکارم اخلاق" کا پیدا کرنا ہے تو کچھ بے جا نہ ہو گا۔

توحید' رسالت' آخرت' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد' اسلامی معاشرت' اسلامی معیشت اور اسلامی سیاست' سب اس ایک غرض کے لیے محو عمل ہیں کہ انسانوں کے اخلاق کو سنوارا جائے اور ان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ دنیا میں امن و راحت سے زندگی بسر کریں اور آخرت میں جنت میں داخل ہونے کے حق دار ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود حسن اخلاق کے پیکر کامل تھے اور اس آفتاب ہدایت سے جو شخص وابستہ ہوتا تھا' حسن اخلاق کے نور سے منور ہو جاتا تھا۔ ۲۳ سال کی مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے ایک پاکیزہ ریاست کو قائم فرما دیا' جو تمام پہلوؤں سے نہایت پاکیزہ اور بلند تھی' اور اس پاک باز قوم پر مشتمل تھی جس کا ہر فرد نیکی' تقویٰ' خشیت الٰہی اور ذمہ دار زندگی کا بہترین نمونہ تھا۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پروگرام کی وضاحت کی گئی ہے وہاں یعلمھم الکتب والحکمۃ فرمایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح نفوس' تزکیہ اخلاق اور تربیت سیرت میں کمال حاصل تھا۔

---

٥ سہ روزہ کوثر' روزنامہ تسنیم اور ہفت روزہ ایشیا کے مدیر (م ۱۹۷۶ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی نفسیات کی نبض کی ایک ایک دھڑکن کو پہچانتے تھے اور اس کے مطابق انسانوں کی تربیت فرماتے تھے۔

انسانوں کو بات سمجھانے کا ایک موثر بلکہ موثر ترین طریقہ تمثیلات کا ہے۔ تمثیل، تصورات کو مجرد کر کے انسان کے سامنے پیش کر دیتی ہے اور بات کو دل کی گہرائیوں میں اتار دیتی ہے۔ آنحضرتؐ تربیت و تذکیر کے لیے تمثیلات سے کام لیتے تھے۔ حضورؐ کی تمثیلات بھی نہایت بلند اور پاکیزہ اور مکمل ہوتی تھیں اور جس بات سے تعلق رکھتی تھیں اس کی تقریباً تمام تفصیلات پر حاوی ہوتی تھیں۔

نہر جاری میں پنج وقتہ غسل: نماز اسلامی زندگی میں جزو اعظم کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسولؐ اللہ نے اس کو عمادالدین فرمایا ہے اور خود قرآن مجید میں جتنی تاکید اس عبادت کی آئی ہے اتنی تاکید کسی اور عبادت کی نہیں آئی۔ اس لیے کہ یہ انسانی روح کو نکھارتی، اس کو آلایشوں اور گندگیوں سے پاک کرتی اور ہمہ وقت انسان کو یہ بتاتی رہتی ہے کہ تو اللہ کا بندہ ہے اور تجھے ایک بندے کی حیثیت میں اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔ اگر یہ احساس دن بھر میں بار بار دلایا جاتا رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانی زندگی اس سے متاثر نہ ہو۔ اس حقیقت کو آنحضرتؐ نے ایک تمثیل سے عیاں فرمایا۔ صحابہؓ سے ارشاد ہوا کہ:

"اگر کسی شخص کے مکان کے قریب ایک نہر بہتی ہو اور وہ اس میں روزانہ غسل پانچ وقت کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہے گا"۔

یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کے انداز میں نہیں بلکہ ایک لطیف استفسار کی صورت میں فرمایا۔ مخاطب بالکل خالی الذہن تھے کہ حضورؐ کیا فرمانا چاہتے ہیں اور آپؐ کے پیش نظر کیا ہدف ہے، جہاں تیر ہدایت جا کر بیٹھنے والا ہے۔

صحابہؓ نے سادگی اور بے تکلفی سے جواب دیا: اے اللہ کے رسولؐ جو شخص بہتی ہوئی نہر میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو اس کے بدن پر میل کس طرح باقی رہ سکتا ہے۔ یہ بات بھی حق تھی جو شخص دن میں ایک مرتبہ بھی غسل کرتا ہو اس کا بدن بھی میل سے پاک رہتا ہے۔ پھر جو شخص پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے بدن کی صفائی کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔

یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاً فرمایا کہ یہی مثال اس شخص کی ہے جو دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے۔ اس کے ذمے بھی کوئی گناہ نہیں رہتا۔ غور فرمایئے کہ اس کے بعد نماز کی اہمیت سے کون غافل رہ سکتا تھا اور کیا وجہ تھی کہ صحابہؓ نماز کے لیے گھٹنوں کے بل بھی چل کر نہ آتے۔ ایک طرف صحابہؓ کے دل میں گناہ کی کراہیت موجود تھی اور اس سے پاک ہونے کی تڑپ۔ دوسری طرف صادق مصدوق کی یہ اطلاع کہ اس سے پاک ہونے کی ترکیب نماز پنج گانہ ہے۔ اندازہ کیجیے کہ یہ تمثیل کتنی کامیاب رہی ہو گی اور کیا یہ چند منٹوں کی تمثیل گھنٹوں کے وعظ پر بھاری نہ تھی؟

بے پتوں کی ٹہنی : ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں ایک شاخ لی جس میں چند خشک پتے تھے۔ پھر اسے زور سے ہلایا، چونکہ پتے خشک تھے سب کے سب جھڑ گئے۔
صحابہؓ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمانے والے ہیں۔ اتنے میں رسولؐ اللہ نے پوچھا: اس ٹہنی میں کوئی پتا باقی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! یہ ٹہنی تو اب پتوں سے بالکل صاف ہے۔
یہ سن کر ارشاد ہوا کہ جس طرح ٹہنی کے پتے جھڑ گئے ہیں، اسی طرح حج کرنے سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ حج، اس کی مشکلات اور اس کے اثرات و نتائج کے اظہار کا یہ کتنا پاکیزہ اور موثر طریقہ تھا، اور دل و دماغ پر کس قدر گہرا نقش قائم کر گیا ہو گا۔

سدا بہار درخت : ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوستوں سے فرمایا: ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مومن کی مثال ہے۔ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟
یہ لطف استفسار اتنا اشتیاق انگیز تھا کہ تمام لوگ سوچ میں پڑ گئے اور جنگلی درختوں میں سے ایک ایک کی طرف ان کا خیال جانے لگا۔ لیکن وہ کسی ایسے درخت کا کھوج نہ لگا سکے جو مومن کی مثال ہو۔
بالآخر سب نے کہا: اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا: وہ درخت کھجور کا درخت ہے۔
اب صحابہؓ کی سمجھ میں آیا کہ مومن کی حقیقت کیا ہے۔ درختوں میں کھجور ہی کا ایک ایسا درخت ہے جس کی کوئی شے بے کار نہیں۔ انسان اس کا پھل مزے لے لے کر کھاتے ہیں، وہ غذا بھی ہے، دوا بھی ہے اور نہایت مقوی بھی۔ وہ ایک حلوہ بھی ہے جو تازہ بہ تازہ درخت سے اترتا ہے اور مہینوں تازہ ہی رہتا ہے۔ نہ اس کے ذائقے میں فرق واقع ہوتا ہے، نہ تاثیرات میں کمی آتی ہے۔ اس کی گٹھلی کا آٹا عرب میں کھایا جاتا ہے۔ اس کے پتوں سے گھروں کی بیسیوں ضرورت کی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ اس کا تنا مکانوں میں شہتیر اور ستون بنتا ہے۔ کھجور کا درخت دیکھنے میں بھی شان دار اور پر عظمت ہوتا ہے۔ وہ صحرا میں اکیلا کھڑا ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنتری ہے جو پہرہ دے رہا ہے، بلند و بالا اور تناور.... یہی حال مومن کا ہے۔ مبارک، شان دار، اصلاح عالم کا باعث، نوع انسانی کے لیے اس کی ہر ادا کار آمد۔ وہ تنہا بھی ہو تو نمایاں اور باوقار ہوتا ہے۔

فیضان نبوتؐ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دین ہدایت لے کر آئے تو اس کا پیغام آپؐ نے گھر گھر اور کونے کونے پہنچا دیا۔ جس طرح ایک زور کی بارش آتی ہے تو دشت و دریا کو یکساں کر دیتی ہے، جل تھل ایک ہو جاتے ہیں لیکن پیغام رسانی اور ابلاغ حق کی اس یکساں نوعیت کے باوجود ہر شخص یکساں

فیض یاب نہیں ہوا۔ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ تفاوت کیوں ہے؟ کیا ابلاغ و رسالت میں امتیاز برتا گیا، یا پیغام ہدایت میں کوئی نقص تھا؟

اس اشکال کو رسولؐ اللہ نے ایک مثال کے ذریعے واضح کیا اور ارشاد فرمایا: اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، ایک زور کے مینہ کی ہے جو روے زمین پر یکساں برسے۔

پھر ایک زمین وہ ہوتی ہے جو صاف اور نرم ہوتی ہے۔ وہ پانی کو پی لیتی ہے اور خوب گھاس، سبزہ اور چارہ اگاتی ہے۔ ایک زمین سخت ہوتی ہے مگر پانی کو روک لیتی ہے۔ پھر اللہ اس سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ لوگ خود بھی پیتے ہیں، جانوروں کو بھی پلاتے ہیں، اور زراعت بھی کرتے ہیں، مگر ایک چٹیل میدان ہوتا ہے۔ وہ نہ پانی کو روکتا ہے اور نہ جذب کرتا ہے، نہ خود سیراب ہوتا ہے نہ دوسروں کو نفع دیتا ہے۔

بس پہلی اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس میں تفقہ پیدا کرے اور جس چیز کے ساتھ مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا ہے اس کو خود سیکھے۔

تیسری مثال اس کی ہے جس نے ہدایت الٰہی کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا اور جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، اسے قبول نہ کیا۔

دربار نبویؐ کے شعرا: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور شعرا، حسانؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن رواحہ، کعبؓ بن مالک ہیں۔ یہ حضرات مشرکوں کی ہجو کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر جو حملے کیے جاتے ان کا جواب بھی دیتے تھے۔

ایک دن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا مناسب حال کوئی شعر سناؤ۔ وہ فوراً کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ یہ اشعار سنائے:

(ترجمہ) میں نے آپؐ میں خوبی کو پہچان لیا اور تاڑ لیا۔ خدا آگاہ ہے کہ مری نگاہ نے دھوکا نہیں کھایا۔ آپؐ پیغمبر ہیں اور جو شخص آپؐ کی شفاعت سے قیامت کے دن محروم ہو گیا تو اس کو تقدیر نے ہلاک کر دیا۔ جب اللہ نے آپؐ کو خوبیوں کے ساتھ نوازا تو آپؐ کو مستحکم و استوار بھی بنائے۔ جس طرح کہ موسیٰؑ کو قوت پہنچائی، آپؐ کی ویسی ہی امداد کرے جیسا کہ ان کی امداد کی اور دوسروں کو دکھائے۔

تاثیر صحبت: بعض لوگ غرور ہدایت و تقویٰ میں اس قدر مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں ماحول متاثر نہیں کر سکتا۔ ہم کسی شخص کی مجلس میں بیٹھیں، ہم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اچھی بری صحبت کو یکساں سمجھتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو نیک صحبت کی اہمیت اور بری صحبت کی مضرت میں امتیاز

نہیں کرتے حالانکہ صحبت نیک و بد بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کو پاکیزہ رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہر فرد ماحول کی تاثیرات سے آگاہ ہو۔ نیکیوں کی معیت کو پسند کرے اور بروں کی صحبت سے بچے۔

رسولؐ اللہ نے ایک تمثیل کے ذریعے اس حقیقت کو نہایت ہی موثر طور پر واضح فرمایا' ارشاد ہوا کہ:
"اچھے آدمی کے پاس بیٹھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص عطار کے پاس بیٹھ جائے۔ اگر اس سے عطر نہ لے تو کم از کم اس کا دماغ خوشبوؤں سے معطر تو ہو گا۔ اور برے آدمیوں کی صحبت کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھ گیا۔ اگر اس کو زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا تو کم از کم کپڑے تو سیاہ ہو جائیں گے اور بھٹی کی چنگاریاں اڑ اڑ کے اس کے کپڑوں میں سوراخ تو بنا دیں گی"۔

دیکھیے کتنی آسانی سے سمجھ میں آنے والی تمثیل ہے اور زندگی کے روز مرہ کے حقائق سے کتنی وابستہ۔ تاثیرات صحبت کے عمیق اور دراز فلسفوں کے مقابلے میں کتنی موثر۔ تمثیل کی خوبی یہ ہے کہ وہ استدلال کے اعتبار سے اتنی قوی ہمہ گیر اور عذرات کو زائل کرنے والی ہو کہ اس کے جواب میں کوئی بات نفس نہ پیش کر سکے۔

دو بھوکے بھیڑیے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب بکریاں پالتے تھے۔ یہ ایک ایسی دولت تھی جو ان کی معاش کی بنیاد تھی۔ اس کا نقصان ان کے نزدیک نہایت خوفناک تھا۔ اور اس سے بچنے کا اہتمام ان میں نہایت شدید۔ وہ جانتے تھے کہ جب بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ پر حملہ آور ہو جائے تو انجام کیا ہوتا ہے: معاشی تباہ حالی۔

دیکھیے اس نفسیاتی نکتے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح استعمال فرماتے ہیں۔

ایک روز اپنے دوستوں سے حضورؐ نے فرمایا: اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو بتاؤ' وہ بکریوں کا کیا حال کریں گے؟

صحابہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! وہ تمام بکریوں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اس امر واقعہ کا اعتراف کرانے کے بعد لسان حکمت یکایک اصلاح نفوس کی طرف متوجہ ہوئی اور فرمایا: "جس طرح دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اسی طرح حسد اور حرص انسان کی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں"۔

اور بات دلوں میں تیر کی طرح ترازو ہو گئی۔ تمثیل کے حسن و جمال پر غور کیجیے۔ انسان کی نیکیوں کو بکریوں کے ریوڑ سے تشبیہ دی کہ نیکیاں انسان کے لیے اسی طرح سرمایہ فلاح و نجات ہیں جس طرح بکریوں کا ریوڑ عرب کے گلہ بانوں کے لیے سرمایہ فلاح و تمول تھا۔

حسد و حرص کو دو بھیڑیوں سے نہیں بلکہ دو بھوکے بھیڑیوں سے تشبیہ دی کہ حرص اور حسد دونوں

بھوک کی علامت ہیں۔ حریص کی آنکھ بھوکی ہوتی ہے جو کسی طرح سیر نہیں ہوتی اور حاسد بھی دوسروں کی خوبیوں کو دیکھ کر اسی طرح کڑھتا ہے جس طرح ایک بھوکا دوسروں کو انواع و اقسام کا مال کھاتے ہوئے دیکھ کر پیچ و تاب کھاتا ہے کہ یہ نعمت انھیں کیوں میسر ہو گئی۔ پھر ایک عام بھیڑیئے کا یہ طریقہ ہے کہ وہ بکریوں پر حملہ آور ہو تو ایک آدھ بکری کو اٹھا لے جانے کی کوشش کرے گا لیکن اگر وہ بھوکا ہے تو ایک بکری کو اٹھا لے جانے کے بجائے وہ ان کو پھاڑ پھاڑ کر ڈالتا جائے گا۔ جب دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں گھس جائیں تو وہ ریوڑ کے ریوڑ میں تباہی مچا دیں گے۔

یہی حال حرص اور حسد کا ہے کہ جب کوئی شخص ان میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر اس کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

لوہے کے دو جبے: اسلامی اخلاق میں بخل نہایت معیوب ہے اور سخاوت اور فیاضی نہایت محمود۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں میں دونوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ بندگان خدا کی خدمت کے لیے دونوں ہاتھوں سے اپنا مال لٹاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ بھی خدا کی راہ میں خرچ کریں مگر ان کے ہاتھ اس طرح بندھ کر رہ جاتے ہیں جیسے لوہے میں جکڑ دیے گئے ہوں۔ حالانکہ زندگی کی مشکلات میں سخی اور بخیل بالعموم یکساں مبتلا ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ سخی لازماً دولت مند ہو، اور بخل صرف وہ کرے جس کا ہاتھ تنگ ہو۔ بلکہ بخل اور سخاوت دو نفسیاتی کیفیتیں ہیں۔

اس حقیقت کو جس کی وضاحت میں ایک عالم نفسیات ایک کتاب لکھ کر بھی کامیاب نہ ہو گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مختصر سی تمثیل سے اس طرح بیان فرما دیتے ہیں کہ پوری حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے۔ فرمایا: بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جن کے جسم پر لوہے کے جبے ہوں، سینے سے گردن تک۔ سخی جب خرچ کرنا چاہتا ہے تو جبہ کشادہ ہو جاتا ہے یا اس کے جسم پر ڈھیلا ہو جاتا ہے اور بخیل جب خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کے جبے کا تمام حلقہ اپنی جگہ پر جم جاتا ہے۔ وہ اس کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتا۔

کس قدر لطیف تمثیل ہے! معاشی مشکلات، سخی اور بخیل کو یکساں لاحق ہوتی ہیں۔ سخی کے لیے بھی دولت اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی بخیل کے لیے۔ لیکن اول الذکر کا دل ان مشکلات میں بھی کشادگی محسوس کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حوصلہ پا لیتا ہے۔ مگر جس کے دل کو بخل کا روگ لگا ہوا ہو، وہ خرچ کرنے کے لیے ہاتھ کھولنا چاہتا ہے مگر فقر کا اندیشہ اس کے ہاتھ لوہے میں جکڑ دیتا ہے۔ بہت سے دولت مند اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور بہت سے کم آسودہ حال، جو کچھ پاتے ہیں، اپنے رب کی رضا میں خوشی سے خرچ کر دیتے ہیں۔